R. No. 2186/57 REGD. NO. L.922

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ ہائے اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

جلد ۲۸ - شمارہ ۱۱ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ مارچ ۱۹۶۹ء

آل احمد سرور

دہلی میں غالب صدی کی تقریبات

(۴)

۱۹ فروری کو صبح کے اجلاس میں سب سے پہلے علی جواد زیدی نے اپنا مضمون پڑھا۔ انھوں نے ان ماخذوں کا جائزہ لیا جو غالب پر تحقیق میں مدد دے سکتے ہیں اور آئندہ کام کے لئے چند تجاویز پیش کیں۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے غالب کے اردو کلام کے صوتی آہنگ پر اپنے مقالے میں اس بات پر زور دیا کہ غالب چونکہ بنیادی طور پر فکری شاعر ہیں اس لئے انھوں نے اظہار و ابلاغ میں صوتی آہنگ سے بہت زیادہ کام نہیں لیا ہے۔ ان کے صوتی آہنگ کے تانے بانے فارسی آہنگ شعر سے تیار ہوئے ہیں اور وہ آہنگ صوت کی کمی کو لفظ کے نادر استعمال سے دور کرتے ہیں۔ بہر حال یہ مقالہ اس وجہ سے اہم تھا کہ غالب کے صوتی آہنگ کا اس طرح مطالعہ ابھی تک ہوا نہیں تھا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے غالب کی مشہور غزل 'آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک' کے سلسلے میں یہ بھی کہا تھا کہ ہونے تک مومن کے یہاں بھی ہے اور ہوتے تک اور ہونے تک دونوں صحیح ہیں۔ اس پر تھوڑی سی بحث بھی ہوئی۔ ان کے بعد پروفیسر احتشام حسین نے غالب کے فنی اسلوب پر اپنے مقالے میں غالب کی شاعری میں فکر اور نظر پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ الفاظ اور پیکر غالب کے لئے مقصد نہیں وسیلہ تھے۔ وہ الفاظ کے ذریعہ سے اپنے افکار و اقدار پیش کرنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے غالب کے کلام میں مرکزوں یا محوروں کے ایک دوسرے پر اثر انداز ہونے کا ذکر کیا۔ ایک زندگی کی پیاس اور دوسری ایک گہری قنوطیت۔ ظ انصاری کا طویل مقالہ ڈاک خانے کی غفلت کی نذر ہو گیا تھا انھوں نے اس کا خلاصہ پیش کیا اور اس میں غالب کے فکر و فن کے اہم پہلوؤں کا جائزہ لیا۔ ظ انصاری نے غالب کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کی تنقید ہر لحاظ سے قابل قدر تھی مگر انھوں نے بیچ بیچ میں تقریر کی نہ معلوم کیوں ضرورت سمجھی۔ سہ پہر کے اجلاس میں سب سے پہلے پروفیسر اسلوب انصاری نے انگریزی میں غالب کی شاعری میں کثرت سے آنے والے پیکروں (IMERGES) کا جائزہ لیا۔ انھوں نے یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ غزل بیان کی شاعری نہیں ہے غالب کے شعری پیکروں سے غالب کے اقدار ان کی تشکیک، ذہنی رویے اور زندگی کے متعلق منفرد احساس کی وضاحت کی اور اس سلسلے میں ان کی اردو اور فارسی شاعری سے مثالیں دیں۔ یہ ایک قابل قدر مقالہ تھا۔ ان کے بعد اردو بلٹز کے ایڈیٹر اختر حسن نے غالب کے فلسفۂ عشق پر ایک مقالہ پڑھا اور غالب کی فارسی شاعری خصوصاً 'ابر گہر بار' کے حوالے سے واضح کیا کہ غالب ایک تعقل پسند شاعر تھا اور اس کی جدیدیت پسندی بھی اسی انداز فکر کا نتیجہ تھی۔ سجاد ظہیر نے اپنے انگریزی مقالے میں غالب کی انسان دوستی پر زور دیا اور خصوصیت سے اس کا ذکر کیا کہ ترقی پسند ادیب غالب سے بہت متاثر ہوئے ہیں حالانکہ غالب کا اثر اقبال، فانی، ثاقب، عزیز، اصغر جیسے شعرا پر بھی بہت گہرا ہے اور نئی شاعری پر بھی۔ در اصل غالب نے بیسویں صدی کے سبھی اہم ادیبوں اور شاعروں کو متاثر کیا ہے۔ ڈاکٹر نور الحسن انصاری نے غالب کی فارسی مثنویوں کے مطالعے کی اہمیت واضح کی اور امریکہ کے ڈاکٹر رالف نے حیاتیات کے بعض نظریات کی روشنی میں غالب کے افکار کی طرف توجہ دلائی۔ گلزار دہلوی نے اس مذاکرے میں اس سوال سے گرمی پیدا کرنی چاہی کہ غالب کی زبان کی حفاظت کے لئے کیا ہو رہا ہے۔ اتفاق سے اس اجلاس کے صدر کویت کے ایک نمائندے تھے جو عربی کے سوا کوئی زبان نہیں جانتے تھے۔ پنڈت آنند نرائن ملا نے جو ڈائس پر موجود تھے اس مسئلے کو سیمینار کے دائرے سے خارج قرار دیتے ہوئے آخر میں غالب کی عظمت پر روشنی ڈالی اور اس کی ہمہ گیری پر خاص طور سے

نذر دیا۔

گرچہ اس سمینار میں کچھ دوستوں کے مقالے بہت طویل تھے اور کچھ کے بہت مختصر اور مقالات پر بحث بھی برائے نام ہوئی پھر بھی مجموعی حیثیت سے یہ سمینار اس لحاظ سے مفید تھا کہ غالب کے فکروفن کے بہت سے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی اور یہ ثابت کیا گیا کہ غالب کی شخصیت شاعری اور نثر میں ابھی بہت سے پہلو ایسے ہیں جن کی طرف اور توجہ کی جا سکتی ہے اور غالب کے چراغ سے چراغ جلائے جا سکتے ہیں۔

شب میں لال قلعہ میں بمبئی کے ایک گروپ کی طرف سے رحمت اللہ بیگ کے تمثیلی مشاعرہ کا وہ روپ پیش کیا گیا تھا جسے کیفی اعظمی نے تیار کیا ہے اس سے جو توقعات تھیں وہ پوری نہیں ہوئیں۔ اوّل تو یہ مشاعرہ لال قلعے میں نہیں ہونا چاہئے تھا، دوسرے اداکاروں کی زبان پر اور توجہ کی ضرورت تھی۔ مزید افسوس یہ ہوا کہ بلراج ساہنی جیسے ذہین فن کار نے مرزا غالب کی بڑی مٹی پلید کی، غالب کا مشاعرے میں کھڑے ہو کر مومن کی تعریف کرنا، یا ہاتھ ہلا ہلا کر شاگردوں کو داد دینا، ہر اس شخص کے لئے تکلیف دہ تھا جو غالب کی شخصیت اور شاعری سے واقف ہے اور اس زمانے کے مشاعروں کے آداب کا علم رکھتا ہے۔

مجھے ناسازیٔ طبع کی وجہ سے بمبئی کی صبح کو واپس ہونا پڑا اس لئے ۲۰، ۲۱، ۲۲ فروری کی تقریبات کے متعلق اپنے ذاتی تاثرات پیش نہیں کر سکتا۔ بعض اخباروں کے مطالعہ سے یہ علم ہوا کہ شیلا بھاٹیا کا اوپرا خاصا کامیاب رہا، فلم اسٹاروں نے شام غالب میں غالب کی زبان کی حفاظت پر زور دیا اور بجائے فلمی گانوں کے غالب کا کلام سنایا۔ غالب اکیڈمی کا افتتاح ۲۲ فروری کو ایک شاندار تقریب میں صدر جمہوریہ نے کیا۔ حکیم عبدالحمید صدر غالب اکیڈمی کی کوشش سے اکیڈمی کی شاندار عمارت نظام الدین میں چند دن پہلے مکمل ہوئی تھی، اسی شب میں لال قلعے میں ایک مشاعرہ ہوا جس کا افتتاح پروفیسر رشید احمد صدیقی نے کیا اور صدارت یونس سلیم صاحب نے کی اس مشاعرے میں غالب کی زمینوں میں شعرا نے غزلیں سنائیں یا غالب کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ غرض آٹھ دن کی سرگرمیوں کے بعد بقول شاعر فسانہ ختم ہوا "گو داستان باقی ہے"۔

نذر گاندھی

بنارس: مہاتما گاندھی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے امسال ان کا سو سالہ جشن ولادت ساری دنیا میں منایا جا رہا ہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی نے اس جشن پر "نذر گاندھی" کے عنوان سے اردو نظموں کا ایک دیدہ زیب اور دلکش مجموعہ شائع کر کے مہاتما گاندھی کو اپنا خراج عقیدت پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مجموعے میں اردو کی وہ تمام نظمیں شامل ہوں گی جن میں مہاتما گاندھی کی زندگی، شخصیت، فلسفہ اور پیغام وغیرہ اہم اور رنگا رنگ پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بنارس ہندو یونیورسٹی نے "نذر گاندھی" کی ترتیب و تہذیب کا کام شعبہ اردو کے استاد ڈاکٹر حکم چند نیر کے سپرد کیا ہے اور اس کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک معقول رقم منظور کی ہے۔ (نامہ نگار)

شاہنامہ کی اشاعت

ایران اور تاجکستان کے عظیم شاعر فردوسی کا یہ لاثانی شاہنامہ سوویت تاجکستان میں شائع کیا گیا ہے۔ اس کی نو جلدوں کے ایڈیشن میں ۵۰ ہزار سے زائد اشعار ہیں اس کے ترتیب دینے والوں نے سوویت اور غیرملکی ذخیروں کے نسخوں سے استفادہ کیا ہے تمام جلدیں ایران، ہندوستان اور وسط ایشیا کے خطاطوں نے مشرقی تصاویر سے آراستہ کی ہیں۔ (ریاست)

الہ آباد یونیورسٹی میں غالب صدی تقریب

الہ آباد: کل ہند غالب صد سالہ کمیٹی الہ آباد یونیورسٹی کے زیر اہتمام ادب اور قومی یکجہتی کے مسائل پر ہندوستانی ادبیات کی روشنی میں ایک سمپوزیم ہوگا ایک کل ہند مشاعرہ بھی ہوگا جس کی صدارت پنڈت آنند نرائن ملا فرمائیں گے۔ ۱۷ر مارچ کو شام نغمہ کی تقریب ہوگی اور ۱۸ر مارچ کو غالب کے فکروفن پر تقریریں اور مقالے پیش کئے جائیں گے اس جلسہ کی صدارت ڈاکٹر سید اعجاز حسین فرمائیں گے۔ (نامہ نگار)

ملا وجہی اور تاج الحقائق پر پی، ایچ ڈی کی ڈگری

بمبئی: اردو دوستوں کو اس خبر سے مسرت ہوگی کہ سینٹ زیویرس کالج کے ریسرچ اسکالر نور السعید اختر کو ان کے تحقیقی مقالے "ملا وجہی اور ان کی تاج الحقائق" پر بمبئی یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی ہے۔ (نامہ نگار)

روزمرہ محاورۂ غالب شائع ہو گئی

دہلی: جناب پریم پال اشک کی نئی کتاب "روزمرہ محاورۂ غالب" شائع ہو گئی ہے۔ اس کی ضخامت ۲۴۰ صفحات اور قیمت چھ روپے ہے۔ یہ کتاب قصر اردو، اردو بازار دہلی، مکتبہ جامعہ اور مکتبہ شاہراہ دہلی سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

انجمن میاں راز کا انتقال

سرونج: یہ خبر نہایت افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ سرونج کے مشہور شاعر انجمن میاں راز کا انتقال ایک طویل عرصہ کی علالت کے بعد بروز جمعرات ۶ مارچ ۶۹ء کو ہو گیا۔ مرحوم انجمن ترقی اردو شاخ سرونج کے صدر بھی تھے۔ (میر عرفان)

شریف الحسن عثمانی

مسودہ شعلہ طور — ایک تعارف

جگر مرادآبادی نے وحشی بلگرامی کے صلاح و مشورہ سے دوسرے مجموعہ کلام شعلہ طور کو ترتیب دیا اور وہ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ جگر صاحب کو یہ ایڈیشن پسند نہیں آیا لہٰذا تلف کرا دیا۔ اس کے بعد نواب سید علی حسن خاں نے شعلہ طور کی ازسرنو ترتیب کا کام شروع کیا اور اپنے صاحبزادے نواب سید شمس الحسن کے سپرد یہ کام کیا لہٰذا سید شمس الحسن اور جگر مرادآبادی نے مل کر جدید شعلہ طور ترتیب دیا یہ مجموعہ غالباً ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد مختلف ایڈیشن منظر عام پر آئے۔ ۱۹۳۲ء والے ایڈیشن کا مسودہ وحشی بلگرامی کے پاس رہا ان کے کاغذات میں سے جناب سید فضل الرحمٰن صاحب کو ملا اور ان کے پاس محفوظ ہے۔ یہ مسودہ بظاہر تلف شدہ ایڈیشن کا ہے لیکن اس میں جگر صاحب کا اپنے اشعار پر اصلاح ترمیم و اضافہ غزلوں پر اشعار کی ترتیب کے نمبر سب کچھ ہیں۔ مسودے میں کچھ غزلوں پر صاد کا نشان ہے مگر دوسرے ایڈیشن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ردیف و قافیہ میں نئے سرے سے کہہ کر غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ گویا یہ مسودہ داغ جگر اور شعلہ طور مستند ایڈیشن کے بیچ کی کڑی ہے۔ پورا مسودہ جگر صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے ہر غزل پر دور سوم یا دور حاضر وغیرہ لکھا ہے۔ بعض غزلوں کے ساتھ ہی ایک غزل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے لکھا ہے بعض اشعار کے ساتھ قابل غور لکھا ہے بڑھائے اشعار دوسری روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ کاٹے گئے اشعار پر ایک لائن کھینچی ہے کہیں پر × نشان لگا ہے اس وجہ سے وہ بھی پڑھنے میں آجاتے ہیں۔ خارجی اشعار اس مسودے میں نہیں ہیں پورا مسودہ لائن دار رجسٹر پر لکھا ہے۔ جگر صاحب نے اپنے اشعار پر جو اصلاح دی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

(۱) جادو قلم کاتب تقدیر میں کیا تھا
ٹھہرا جو ذرا درد ہوا سے مائل بہ فنا تھا

جادو قلم کاتب تقدیر میں کیا تھا
میں اول ساعت ہی سے مائل بہ فنا تھا

(۲) کل شب یہ تماشا بھی عجب ہوش ربا تھا
ٹھہرا جو ذرا درد تو دل ٹوٹ رہا تھا

وہ دور محبت بھی عجب ہوش ربا تھا
ٹھہرا جو ذرا درد تو دل ٹوٹ رہا تھا

(۳) باطن میں ترے قریب رہ کر
ظاہر میں بہت ستائیں گے ہم

باطن میں ترے قریب رہ کر
ظاہر میں نظر نہ آئیں گے ہم

(۴) خوشا یہ [illegible] شکست خودداری
(۵) ہم بے خبر [illegible] ہم ان [illegible] ہیں
خوشا یہ [illegible] شکست خودداری
(۶) ہم بے [illegible] ہم ان [illegible] ہیں

(۵) بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کے ہزاریاں کو ٹھکرا کے پی گیا

بے کیفیوں کے کیف سے گھبرا کے پی گیا
توبہ کو توڑ تاڑ کے تھرا کے پی گیا

اب ایک غزل جس کے اشعار کی ترتیب دی ہے ملاحظہ ہو

(۱) ملا کے آنکھ نہ محروم ناز رہنے دے
تجھے قسم جو مجھے پاکباز رہنے دے

(۲) میں اپنی جان تو قربان کر چکوں تجھ پر
یہ چشم مست ابھی نیم باز رہنے دے

(۳) ترے ہی شیوۂ عاشق کشی کی تجھ کو قسم
اسی طرح مژہ ہائے دراز رہنے دے

(۴) شباب سینۂ عاشق سے [illegible] کسی جانب
نگاہ ناز کو دشنہ نواز رہنے دے

(۵) گلے سے تیغ ادا کو جدا نہ کر قاتل
ابھی یہ منظر ناز و نیاز رہنے دے

(۶) یہ تیر ناز ہیں تو شوق سے چلائے جا
خیال خاطر اہل نیاز رہنے دے

(۷) قتیل غمزۂ خوں ریز ہوں قصور معاف
اشارۂ نگہ دل نواز رہنے دے

(۸) یہ جان آج نکلتی ہے جس کے قدموں پر
خدا کرے سر داماں ناز رہنے دے

ذ جناب شمس الرحمٰن صاحب کا بیان ہے [illegible] [illegible]
[illegible] لیکن وہ [illegible] ان کو وحشی بلگرامی کے کاغذات سے دستیاب ہوئے تھے۔

پریم وار برٹنی

گناہگار

میں اور میرے ایک ہیولے کے ماسوا
اس شب کی سلطنت کا کوئی حکمراں نہیں

وہ سوچ کیوں اسیر ہے اپنے ہی خول میں
جس کی نظر میں وسعت کون و مکاں نہیں

سینہ ہے داغ داغ تو دل ہے لہو لہو
ہر خواب ہے بجھا ہوا اشکوں کے زہر میں

کتنی ہی حسرتوں کی صلیبیں لئے ہوئے
تنہا بھٹک رہا ہوں مرادوں کے شہر میں

جل بھی گئے چراغ تو کیسے کٹے گی رات
اک طور چاہئے دل بے نور کے لئے

مجھ سے گناہگار کی تقدیر میں کہاں
شوق تھی صرف عیسیٰ و منصور کے لئے

(۳) خدا نے دی ہے یہ نعمت تو رکھ اسے پنہاں
غرورِ حسن کو تا حد ناز رہنے دے

(۴) میں رازِ عشق کو یکسر نہ جہاں رکھوں
مگر جو مصلحت حسن راز رہنے دے

(۵) یہ بات کیا ہے کہ حقیقت وہی مجاز رہی
مجاز ہے تو پھر اس کو مجاز رہنے دے

(۶) ازل سے حسن تو عاشق نواز ہے لیکن
جو عشق ہی اسے عاشق نواز رہنے دے

(۸) یہاں ایک نوازش کی ہے اے ساقی
نہ چھیڑ درد سے خانہ ساز رہنے دے

(۹) یہ خانقاہ نہیں پی بھی جا ارے واعظ
یہ میکدہ ہے یہاں احتراز رہنے دے

(۹) نہ دے نہ آئینہ مجھ وہ اور ہی شے ہے
جس آئینہ کو خود آئینہ ساز رہنے دے

(۸) لٹا دے دولت کونین اور میرے لئے
بس اک تبسم عاجز نواز رہنے دے

(۹) بجھا نہ آتش پنہاں کرم کے چھینٹوں سے
دل جگر کو مجسم گداز رہنے دے

مطلع ثانی

(۱۱) گذر رہی ہے جو دل حسن پر نہ پوچھ جگر
یہ خاص راز محبت ہے راز رہنے دے

اب چند اشعار وہ ملاحظہ ہوں جو مختلف غزلوں میں
کاٹ دئے گئے ہیں ؎

(۱) جو کچھ نہیں اب نظر زیبا ہے تجھ کو سر بسر
تو جانِ ایمانِ وفا، ایمانِ جانِ عاشقی

(۲) جس تک نہ پہنچی ہو نظر، عالم جو حس سے بے خبر
پیدا دل ویراں میں وہ گلستانِ عاشقی

(۳) برق گرتی ہے کہیں جلتی ہیں تصویریں کہیں
وہ کہیں ہیں عشوہ فرما ان کی تصویریں کہیں

(۴) اک شاہد خیال کو لپٹا کے پی گیا
باہوں میں باہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا

(۵) عجیب شان عجب رنگ داستاں ہوتا
کبھی جو حسن کبھی خود عشق کی زباں ہوتا

(۶) عشق کی واردات نے لوٹا حسن کے معجزات نے مارا
(۷) ہم کو حق ہے نگاہ ساقی پر سب سے پہلے خراب ہیں ہم لوگ
(۸) تیری آنکھ کا واسطہ ساقی تیرے مست شراب ہیں ہم لوگ
(۹) جلوۂ برق تاب نے مارا اک مجسم شباب نے مارا
(۱۰) سحر ہوئی مرے ساقی ختم شراب اٹھا ستارے چھپ گئے وہ دیکھ آفتاب اٹھا

اب وہ چند اشعار ملاحظہ ہوں جو بعد کو مسودے میں بڑھائے
گئے ہیں ؎

دور دوم

کیوں حسن کا افسانہ محدود ہو لفظوں میں
آنکھیں ہی کہیں اس کو آنکھوں نے جو دیکھا ہے

دور حاضر

بیساختہ آج ان کے بھی آنسو نکل آئے
دیکھا نہ گیا حال غریبانہ کسی کا
جس کی نگہ سادہ کے ہم مارے پڑے ہیں
وہ شوخ یگانہ ہے نہ بیگانہ کسی کا
اس کو بھی جگر دیکھ لیا خاک میں ملتے
وہ اشک جو تھا گوہر نایاب دانہ کسی کا

دور سوم

جلووں نے دل کے سیر و ساماں بنا دیا
مجھ کو بھی اک نگاہ پریشاں بنا دیا
آج اس نظر نے دل سے کیا یوں معانقہ
سمجھا یہ ہیں کہ درد کو درماں بنا دیا
ساقی نے آج بندۂ احساں بنا دیا
ڈال وہ اک نظر کہ مسلماں بنا دیا
دوڑا کے حسن یار کی بجلی سی ایک لہر
کانٹوں کو میں نے رشک گلستاں بنا دیا

مسودے میں دور سوم کے نام سے ایک غزل لکھی ہے جس میں دس شعر ہیں ایک شعر کٹا ہوا ہے اور ایک شعر میں اصلاح ہے دونوں شعر تحریر کر چکا ہوں باقی نو شعر رہتے ہیں "لمعات طور" کے عنوان سے جو نظمیں ہیں ان میں "شکست توبہ" کے عنوان سے "شعلہ طور" حیدرآبادی ایڈیشن میں کل ۸ شعر تحریر ہیں ڈاکٹر محمد اسلام نے "یادگار جگر" میں نظم "شکست توبہ" کے اشعار لکھے ہیں جو شامل اشاعت نہیں ہیں ان کی تعداد ۱۲ ہے۔ اس میں ایک شعر ہے ؎

میں مست توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
باہوں میں باہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا

مسودے میں ہے

ایک شاہد خیال کو لپٹا کے پی گیا
باہوں میں باہیں ڈال کے اٹھلا کے پی گیا

یہ شعر مسودے میں کاٹ دیا گیا ہے۔
شعلۂ طور حیدرآبادی ایڈیشن میں جو شعر مسودے کے مطابق تحریر نہیں ہے وہ یہ ہے ؎

میں مست توبہ کرتے ہی پچھتا کے پی گیا
ساغر اچھال اچھال کے لہرا کے پی گیا

نوٹ: شعلۂ طور کا وہ ایڈیشن جو مسلم یونیورسٹی پریس سے شائع ہوا تھا اور جو جگر صاحب کو پسند نہ آنے کی وجہ سے رد کر دیا گیا میرے پاس موجود ہے۔ انتخاب جگر کی فرمائش پر اصغر گونڈوی نے کیا تھا مگر ان کے بیان کے مطابق جگر صاحب کو یہ انتخاب پسند نہ آیا۔
(آل احمد سرور)

اختر لاری

"اخبار حیدری"

مجھے اخبار حیدری آگرہ ۱۸۶۲ء[1] کی فائل جناب نور الحسن نور گورکھپوری[2] کے ذاتی ذخیرہ کتب میں ملی ہے۔ اس فائل سے اخبار حیدری کے متعلق چند نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں۔ اس لئے میں ہماری زبان کے ذریعہ اس کا تعارف کرا رہا ہوں۔

جنوری ۱۸۶۲ء کے پرچے پر جلد نمبر ا درج ہے، جس کی بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اخبار مذکور ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا، مگر یہ قیاس صحیح نہیں ہوگا، دراصل یہ اخبار ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا اور دو سال جاری رہ کر بند ہو گیا دوبارہ یہ ۱۸۶۱ء میں جاری ہوا۔ اس کی وضاحت آگے ہوگی۔ ۱۸۶۱ء تک یہ اخبار ہفتہ وار تھا، لیکن ۱۸۶۲ء میں پندرہ روزہ ہو گیا۔ دسمبر ۱۸۶۲ء کے شمارے میں اس کے بند کئے جانے کا اعلان ہے۔ یہ اخبار مطبع حیدری آگرہ میں چھپتا تھا اور اس کے ایڈیٹر مرزا علی حسین تھے۔

محولہ بالا فائل کے مندرجات کا تعارف کرانے سے قبل اب تک اس اخبار کے متعلق جو لکھا جا چکا ہے اس کا تجزیہ ضروری ہے تاکہ اس کے متعلق صحیح معلومات سامنے آسکیں۔ اخبار حیدری کا ذکر سب سے پہلے خطبات گارساں دتاسی میں ملتا ہے۔ دتاسی اپنے ۴ دسمبر ۱۸۶۱ء کے خطبہ میں اس کے متعلق لکھتا ہے۔

"اخبار حیدری اور اخبار حسینی دونوں اردو کے اخبار ہیں۔ پہلے کے مدیر مرزا علی حسین حیدری ہیں اور دوسرے کے سید حسین علی جو دلی کالج میں پروفیسر ہیں اور انھوں نے الف لیلہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔"[3]

دتاسی کے بیان سے نہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اخبار کہاں سے نکلتا تھا اور نہ ہی اس کے سنہ اجرا اور وقفہ اشاعت پر روشنی پڑتی ہے۔ علاوہ بریں اڈیٹر کے نام کے ساتھ حیدری کا اضافہ بھی صحیح نہیں۔ اڈیٹر کا نام فقط مرزا علی حسین تھا۔

خطبات دتاسی کے بعد اس اخبار کا ذکر اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف کی تالیف اختر شہنشاہی میں ملتا ہے۔

"حیدری: آگرہ مذکرہ حاجی حسن مرحوم مالک مرزا علی حسین اجرائے ۱۸۵۶ء"[4]

مولف اختر شہنشاہی نے سنہ اجرا صحیح لکھا ہے، لیکن وقفہ اشاعت کے بارے میں وہ خاموش ہیں۔

زمانہ حال میں جناب امداد صابری نے اپنی گرانقدر تالیف اردو صحافت کی تاریخ جلد اول اور جلد دوم میں اس اخبار کا ذکر کیا ہے۔ جلد اول میں وہ لکھتے ہیں:

"حیدری: مذکرہ حاجی حسن مرحوم آگرہ سے ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا۔ اس کے مالک مرزا علی حسین مرحوم تھے۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔"[5]

یہ بیان اختر شہنشاہی سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ وقفہ اشاعت کے متعلق مولف اردو صحافت کی تاریخ نے جو اضافہ کیا ہے وہ بڑی حد تک صحیح ہے۔

"اردو صحافت کی تاریخ" کی دوسری جلد میں پھر اس اخبار کا ذکر کرتے ہوئے صابری صاحب لکھتے ہیں۔

"اخبار حیدری و اخبار حسینی: یہ دونوں اخبار ۱۸۶۱ء میں نکلتے تھے پہلے کے اڈیٹر مرزا علی حسین جو دہلی کالج کے پروفیسر تھے۔ تاریخ مغلیہ، تاریخ ایران (گوہند) سیکنائن کی شرح شریف قانون ضری فوجداری (سیکنائن) قانون وراثت (سیکنائن)

مرزا خلیل

غزل

ملنے کو یوں تو لوگ بہت راہ میں ملے
ہم اپنے دل کی بات کسی سے نہ کہہ سکے

بادل اٹھے بھی اور برس کر نکل گئے
صحرا میں ہم اسی طرح پیاسے کھڑے رہے

پیچیدہ کس قدر ہے خدایا کتاب زیست
دیکھا ادھر ادھر سے مگر کچھ نہ پڑھ سکے

اکتا گئے تھے شہر سے صحرا میں جا بسے
تنہائی ساتھ ساتھ تھی جب بھی جہاں گئے

رستے کا کچھ خیال نہ منزل کا کچھ پتہ
آئی صدا جدھر سے اسی سمت چل دئے

خوابوں کے بت تراشے ہیں ہم نے تمام رات
تعبیر کی دکان پہ اب دام جو لگے

---

[1] فائل میں ۱۵ مارچ، یکم اپریل اور پندرہ اکتوبر کے شمارے نہیں ہیں، بقیہ اکیس شمارے موجود ہیں۔

[2] نور گورکھپوری کا شمار گورکھپور کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

[3] خطبات گارساں دتاسی، ص ۳۰۷

[4] اختر شہنشاہی، ص ۴۰۰

[5] تاریخ صحافت اردو جلد اول (طبع دوم)، ص ۲۰۳

سکیپ دفتر کے خلاصہ قانون دیوانی، قانون فوجداری کے ترجمے انہی کے قلم کے ممنون ہیں (ص ۳۰۰ شہ)"

یہاں صابری صاحب نے اڈیٹر کا نام مرزا اعلیٰ حسین لکھا ہے جب کہ اڈیٹر کا صحیح نام مرزا علی حسین ہے۔ علاوہ بریں قوسین میں ص ۳۰۰ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مندرجہ بالا بیان کا ماخذ خطبات گارساں دتاسی ہے۔ خطبات کی پوری عبارت اوپر نقل کی جا چکی ہے اس میں اجرا کا کوئی ذکر نہیں چونکہ دسمبر ۱۸۸۱ء کے خطبہ میں اس اخبار کا ذکر ہے غالباً اس لیے صابری صاحب نے یہ قیاس کر لیا ہے کہ یہ اخبار ۱۸۸۱ء میں جاری ہوا تھا حالانکہ وہ خود اپنی تصنیف کے جلد اول میں سنہ اجرا ۱۸۶۸ء لکھ چکے ہیں۔ دتاسی نے یہ نہیں لکھا ہے کہ مرزا علی حسین وہاں کالج کا پروفیسر تھے اس نے اخبار حسینی کے اڈیٹر سید حسینی کے بارے میں یہ بات لکھی تھی جسے یہاں بھی صابری صاحب سہو ہوا ہے۔ ان تسامحات کے سبب انہوں نے مرزا اعلیٰ حسین کی تصانیف و تالیفات اور تراجم کی جو فہرست دی ہے وہ مشتبہ ہو جاتی ہے۔ دراصل یہ تمام تصانیف ماسٹر حسینی کی ہیں جیسا کہ صابری صاحب نے خود آگے چل کر لکھا ہے۳۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صابری صاحب مرزا اعلیٰ حسین اور ماسٹر حسینی کو ایک ہی شخص سمجھتے ہیں اس بات کے لیے جب تک کوئی واضح ثبوت نہ ہو اس وقت تک مرزا علی حسین اور ماسٹر حسینی کو ایک ہی شخص نہیں قیاس کیا جا سکتا۔

اب میں اخبار حیدری کے ۱۸۶۲ء کے پرچوں کا اجمالی تعارف پیش کر رہا ہوں۔ یہ اخبار ۱۲ × ۹½ سائز کے چار صفحات پر مشتمل ہے اس کا کاغذ سفید اور چکنا ہے۔ صفحۂ اول کا بالائی حصہ ٹائٹل کے لیے وقف ہے جس میں خط طغرائی "اخبار حیدری" لکھا ہے اور اس کے اوپر یہ قطعہ درج ہے:

مطبع میں ہے جو شوکت دربار حیدری — تو مہتمم ہے بندۂ سرکار حیدری
معجز بیاں ہو کیوں نہ مرا کلک تر زباں — جوہر ہے ذوالفقار کا اخبار حیدری

ساتھ ہی یہ عبارت بھی لکھی ہے:

"یہ اخبار ہر مہینے میں دو مرتبہ جاری ہوگا ایک پہلی تاریخ کو دوسرا پندرھویں کو۔ قیمت اس کی پیشگی دینے والوں کو مع محصول ساڑھے چار روپیہ اور بعد میں دینے والوں کو چھ روپیہ سال مقرر ہے اور کوئی اشتہار یا کوئی چیز مفید طلب چھپوائے تو فی سطر دو آنہ لیے جائیں گے۔"

اخبار کے صفحۂ آخر پر مطبع اور اڈیٹر کا نام اس طرح درج ہے۔

"مطبع حیدری کٹرہ حاجی محمد حسن مرحوم واقع آگرہ میں اہتمام سے مرزا علی حسین مہتمم کے چھپا۔"

بعض شماروں میں آگرہ کی جگہ اکبر آباد چھپا ہے۔

یکم جنوری ۱۸۶۲ء کے شمارے کے پہلے صفحے پر حمد و نعت کے بعد اخبار کی پذیرائی، اطاعت اور اشاعت وغیرہ کے بارے میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

"...... اب میں خلاصہ مدعا تحریر کرتا ہوں شکر صد شکر کہ سال ۱۸۶۱ء کا تمام ہوا سلسلہ اخبار حیدری کا بخیر و خوبی انجام ہوا۔ شائقین ناظرین اخبار نے ہر طرح سے علی قدر مراتب امداد کی مہتمم اخبار کی طبیعت شاد کی اللہ ان بزرگوں کو ہمیشہ آفت ارضی و سماوی سے دور رکھے و تا حال شاد و مسرور رکھے آمین ثم آمین۔ پہلے کاغذ فلس کیپ پر چھپتا تھا اب شیراز پیپر پر لکھا جائے گا۔ قبل ازیں ہفتہ اخبار نکلتا تھا اب پندرھویں روز یعنی پہلی اور سولھویں ہر مہینے کو اجرا پائے گا۔ قیمت میں تخفیف کی گئی تاکہ گرم بازاری ہو ہر شخص آمادۂ خریداری ہو.........."

اور پندرہ دسمبر ۱۸۶۲ء کے شمارہ میں اخبار کے بند کیے جانے کا اعلان ہے:

"شائقین اخبار پر واضح ہو کہ ۱۸۶۱ء سے نہایت ۱۸۶۲ء جو کچھ خرچ اخبار حیدری کا دیکھا گیا تو واضح ہوا کہ بباعث کم توجہی خریداران اخبار کے بہت سے صاحبوں سے زر قیمت بلکہ محصول اخبار تک بھی وصول نہیں ہوا اور اخراجات بہ نسبت آمدنی کے زیادہ پڑے۔ اس صورت میں جاری رکھنا اخبار کا مصلحت نہ سمجھ کر اشتہار دیا جاتا ہے کہ شروع جنوری ۱۸۶۳ء سے اخبار حیدری اجرا نہ پائے گا شائقین منتظر نہ رہیں اور جن جن صاحبوں کی طرف زر باقی قیمت و محصول اخبار باقی ہے از راہ عنایت و کرم کے ۱۸۶۲ء تک سب باقی فرما کر مرہون منت کریں۔"

مندرجہ بالا اقتباسات سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اخبار ۱۸۶۱ء میں جاری ہوا لیکن ایسا نہیں ہے۔ مولف اختر شہنشاہی نے لکھا ہے کہ یہ اخبار ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا۔ مولف اختر شہنشاہی کے بیان کو صحیح سمجھنے کے قرائن موجود ہیں۔ آگرہ کے ایک اور اخبار حسینی کے متعلق بھی اس نے لکھا ہے کہ یہ اخبار ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا[1]۔ میرے پیش نظر اخبار حسینی کے ۱۸۵۷ء کے شمارے ہیں جن پر جلد ۲ درج ہے[2]۔ اس سے مولف اختر شہنشاہی

۱؎ تاریخ صحافت اردو، جلد دوم، ص ۱۹۰
۲؎ طبقات شعرائے ہند، کریم الدین، ص ۴۰۴
۳؎ تاریخ صحافت اردو، جلد دوم، ص ۱۸۰

۱؎ اختر شہنشاہی، ص ۱۰۱
۲؎ اخبار حسینی کی فائل بھی راقم الحروف کو جناب نور آرزو کمپوری کے ذاتی ذخیرہ کتب میں ملی ہے اس کا تعارف آئندہ کرایا جائے گا۔

کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اخبار حیدری کے متعلق بھی اس کا بیان صحیح ہوگا۔ غالباً حالات کی ناساعدت کے سبب دو سال جاری رہ کر یہ اخبار بند ہو گیا اور پھر ۱۸۶۱ء میں جاری ہوا۔ اسی لئے ۱۸۶۲ء کے شماروں پر جلد ۱۴ درج ہے۔

اس اخبار میں ملک کے مختلف حصوں و نیز بیرون ہند کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ خبروں کا ماخذ خطوط تھے یا دوسرے اخبارات۔ خصوصاً بیرون ہند کی خبریں ملکی اور غیر ملکی انگریزی اخبارات سے اخذ کی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس میں سرکاری گزٹ اور گشتی مراسلوں کے اقتباسات بھی شائع ہوتے تھے۔ یکم جنوری کے پرچے میں کشن گڑھ، اردم، بمبئی، ایران، پنجاب، لکھنؤ، الور، الہ آباد کی خبریں درج ہیں لکھنؤ کی خبر ملاحظہ ہو:

"ایک چٹھی آمد لکھنؤ مکتوبہ ۹ر دسمبر سے واضح ہوا کہ جناب عصمت مآب سکندر بیگم والی بھوپال آج صبح کو رونق بخش لکھنؤ ہوئیں اور حسب مدارج صاحب ممدوحہ اتواپ رسم سلامی سر ہوئیں۔ ان کا ڈیرا اس بارگومتی کے متصل بادشاہ باغ میں خیمہ ہے لکھتے ہیں کہ ایک ہفتہ یہاں مقام ہوگا اور پھر جانب آگرہ تشریف لے جائیں گی میجر چیمیں صاحب بہادر پولیٹیکل ایجنٹ ہمراہ رکاب ہیں کل شب کو بہ تقریب دعوت ناچ وغیرہ خوب ہوا اور آج شام کو چھتر منزل میں تماشا ہوگا۔"

اس میں ہر نوعیت کی جیسے سیاسی، سماجی، معاشی اور عام معلومات کی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ یہاں مختلف شماروں سے چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ اس اخبار کا صحافتی معیار سامنے آ سکے۔ علاوہ بریں ان سے اس دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کا بھی کسی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔

"ہرکارہ اخبار خبر دیتا ہے کہ تقنہ بابت کارگزاری ہائے ایام مفسدہ گذشتہ کے ولایت سے آ گئے ہیں اور بہت سے ایڈجوٹنٹ جنرل کے افسر پاس رکھے ہیں جو جو شخص اون کے مستحق ہوں اون کو لازم ہے کہ درخواست اپنی ارسال کریں اور شاہ معزول دہلی کو جو رنگون میں تا حین حیات قید ہے اوس نے ایک عرضی واسطے وظیفہ مقرری اور اضافہ رقم اخراجات مصارف روزمرہ کے بہ حضور اعلیٰ ان گورنمنٹ ارسال کی ہے وہ نامنظور ہوئی۔ از آفتاب عالم تاب۔

(یکم فروری ۱۸۶۲ء)

خبر روس

ایک چٹھی آمد کابل سے معلوم ہے کہ اہل روس چھاؤنی اپنی خاص قند میں تعمیر کر رہے ہیں اور شاہ کو کان و قوع اس امر جدید سے بہت ناراض اور شش و پنج میں ہے۔ سرکار انگریزی کے حدود دات سے فاصلہ اس مقام کا قریب چھ سو میل ہے اور خاندان امیر دوست محمد خاں میں بدستور جھگڑے چلے جاتے ہیں۔ دیکھا چاہئے کہ انجام اس کا کیا ہو۔ ایضاً (آفتاب عالمتاب)

(پندرہ فروری ۱۸۶۲ء)

خبر نواب گورنر جنرل ہند

اردو دہلی گزٹ نمبر ۲ر مورخہ ۱۲ر ماہ حال میں تحریر ہے کہ نواب گورنر جنرل کشور ہند ماہ نومبر میں بتقریب دورہ ممالک مغربی کی طرف تشریف فرما ہوں گے اور ابتداء ماہ مذکور میں کیمپ جناب ممدوح کا بمقام آگرہ تیار ہوگا اور کمانڈر انچیف بھی ہمراہ ہوں گے اور ریل گاڑی جو بنارس سے مغل سرائے تک ماہ نومبر میں جاری ہوگی اوسکی رسمیات تکلف اور دراسش کو نواب معزی الیہم بذات خود ادا فرمادیں گے۔ فقط ایضاً (انوار الابصار) (پندرہ اگست ۱۸۶۲ء)

حیدر آباد دکن

صاحب دہلی گزٹ بحوالہ اخبار میسور نگارڈ نقل پرداز ہیں کہ نواب اعظم جاہ نے بواسطہ جناب لارڈ ایلجین صاحب بہادر گورنر جنرل ہند ایک عرضی بہ حضور سر چارلس اوڈ صاحب بہادر وزیر اعظم سلطنت انگلستان بایں مراد ارسال کی تھی کہ ریاست حیدر آباد مجھکو مرحمت ہو کیونکہ میں اس کا مستحق ہوں۔ اس پر شہنشاہ حضور سے نفاذ حکم ہوا کہ حکم اول جو بہ تجویز گورنمنٹ ہند جاری ہوا منسوخ ہونا اوس کا ممکن نہیں۔ مگر ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ سرکار کو اعزاز و اکرام تمہارا بہ نسبت تمام امرا اور روساء زیادہ ملحوظ رہے گا چنانچہ خدام گورنر جنرل بہادر نے نواب صاحب موصوف کو اس امر سے مطلع فرما دیا۔ از مجمع البحرین (پندرہ نومبر ۱۸۶۲ء)

(باقی آئندہ)

مراسلات

غالب اکیڈمی

۲۲ فروری ۱۹۶۹ء کو غالب اکیڈمی کی عظیم الشان اور خوبصورت عمارت (جو مزار غالب سے بالکل متصل ہے) اور اس کی آرٹ گیلری میوزیم لائبریری اور آڈیٹوریم کا افتتاح صدر جمہوریہ ہند نے کر دیا ہے۔ اس کی لائبریری میں پندرہ ہزار کتابوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سر دست تین سو فائل بھی سترہ عنوانات پر کھول دیئے گئے ہیں۔

غالب پر کام کرنے والوں، غالب صدی میں حصہ لینے والوں اور مصنفین وغیرہ سے استدعا ہے کہ وہ اپنی مطبوعات رسالے پمفلٹ مقالے اشتہار پوسٹر وغیرہ خواہ وہ کسی زبان میں ہوں اکیڈمی کو ارسال فرمائیں۔ تاکہ غالب کی یا غالب پر ہر چیز ہمیشہ کے لئے قرینہ سے محفوظ ہو جائے اور غالب پر ریسرچ کرنے والوں اور آپ سب کے بوقت ضرورت کام آئے۔

(عتیق صدیقی سکریٹری غالب اکیڈمی)

ایک درخواست

مہاتما گاندھی کے سو سالہ جشن ولادت پر بنارس ہندو یونیورسٹی سے اشاعت کے لئے میں اردو نظموں کا ایک مجموعہ "گاندھی" مرتب کر رہا ہوں۔ اس مجموعے میں وہ تمام نظمیں شامل کی جائیں گی جن میں مہاتما گاندھی کی شخصیت، فلسفہ اور پیغام وغیرہ اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ میری خواہش ہے کہ اس مجموعے میں اردو کی زیادہ سے زیادہ نظمیں شامل ہوں۔

اردو کے شاعروں سے میری درخواست ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی مطبوعہ نظموں کی ایک نقل (حوالے کے ساتھ کہ ان کی یہ نظم کب اور کہاں شائع ہوئی تھی) ارسال فرما کر ممنون و متشکر فرمائیں۔ نظموں کی نشاندہی کرنے والوں کا بھی شکریہ ادا کیا جائے گا۔ چونکہ نظمیں تاریخی ترتیب سے جمع کی جائیں گی اس لیے رسالوں اور اخباروں کے حوالے بڑی اہمیت کے حامل ہوں گے۔

(ڈاکٹر حکم چند نیّر استاد شعبہ اردو بنارس ہندو یونیورسٹی)

"ہماری زبان"

کو مضامین و مراسلات ارسال کرتے وقت یہ ملحوظ رہے کہ وہ کاغذ کے ایک طرف صاف لکھے ہوں۔

(ادارہ)

غالب کی زبان

معاصر ہندوستان ٹائمز نے غالب کی زبان کے عنوان سے ایک اداریہ لکھا ہے قارئین ہماری زبان کے لئے اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

مرزا اسد اللہ خاں غالب ۱۷۹۷ء میں پیدا ہوئے تھے اس زمانہ میں ہندوستان میں فارسی کا چلن تھا اور اردو کی بھی اہمیت تسلیم کی جانے لگی تھی۔ جب ۱۸۶۹ء میں غالب کا انتقال ہوا تو اس وقت تک اردو کو ادبی زبان، درباری زبان اور عام لوگوں کی زبان کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی۔ یہ سو سال پہلے کی بات ہے لیکن یہ اتنا لمبا عرصہ نہیں کہ آج ہم اس کو بھول جائیں اور ایسے وقت جبکہ ہمارا پورا ملک اور دنیا کے بیشتر ممالک غالب کی یاد منا رہے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اس غالب صدی میں کس چیز کا جشن منا رہے ہیں؟ کیا یہ اسد اللہ خاں کا جشن ہے؟ یا اس کی غیر فانی شاعری کا جشن ہے؟ جشن کا مقصد یہی ہے یا کچھ اور ہے؟ کیا ہم غالب کو اس زبان سے علیحدہ کر کے یاد کر سکتے ہیں جس میں اس نے اپنی تخلیقات پیش کیں؟ کیا ہم جب غالب کو یاد کرتے ہیں تو ہم اردو کو تسلیم نہیں کرتے؟ اور ایسا کرتے ہوئے کیا ہم ان تہذیبی روایات اور ورثہ کی نشاندہی نہیں کرتے جو ہندوستانی تہذیب کا ایک اہم جزو ہے؟ اور اگر یہ حقیقت نہیں ہے تو ہم غالب کو بھی ایک تاریخی یادگار اور تاریخ کا ایک ورق جو نقش و نگار طاق نسیاں ہو چکا ہو ماننا پڑے گا اور پھر اس کی یاد اس دور میں غیر ضروری ہو گی۔

غالب صدی کا آغاز ابھی ابھی ہوا ہے اور ہمیں اس زبان کی طرف بھی توجہ دینی پڑے گی جس کو غالب نے وسیلہ اظہار بنایا تھا جو دو دہائی پہلے ایک جیتی جاگتی اور ترقی یافتہ لوگوں کی زبان تھی اور جو آج ماضی کی یادگار بنائی جا رہی ہے اور اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو اس زبان سے ہماری نسل ناواقف ہو گی اور اسے تین چار سو طلبہ علمی خانقاہوں میں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کریں گے۔ یہاں یہ سوال پھر پیدا ہوتا ہے کہ اگر اردو کی حیثیت ختم کر دی جائے تو کیا ہندوستانی تہذیب کا وہ تناور درخت خشک نہ ہو جائے گا جسے اس نے سینچا تھا۔

ایسے وقت میں جب ہمارا ملک ایک رابطہ کی زبان کی تلاش میں سرگرداں ہے یہ بہت مفید ہو گا کہ اردو کی جڑوں کو تلاش کیا جائے۔ اردو ایک ہندوستانی زبان ہے۔ یہ ہندوستان میں پیدا ہوئی فارسی اور مقامی ہندی کے ربط سے ہندوستان کی عام زبان بن گئی۔ خود اردو کا لفظ ترکی الاصل ہے جس کے معنی لشکر کے ہیں ایک ایسی جگہ کے ہیں جہاں بھانت بھانت کے لوگ ملتے ہیں۔ فارسی اس وقت درباری زبان تھی امراء

روں مارہ کا وسیلۂ اظہار تھی لیکن اردو عوام کی زبان تھی بازار کی زبان تھی ایک ایسی زبان تھی جس میں مختلف تہذیبوں اور زبانوں کے ماننے والے اپنی بات کہہ سکتے تھے اور دوسرے کی بات سمجھ سکتے تھے اور اس طرح اردو پروان چڑھتی گئی۔ ادبی زبان اور درباری زبان ہونے کا تمغہ اسے حاصل نہ تھا لیکن اس سے اردو کی ترقی میں بہت اضافہ ہوا چنانچہ اردو کو دوسری زبانوں کے الفاظ لینے میں کبھی عار محسوس نہ ہوا اور اس کی یہی خصوصیت ہے جس نے اسے استحکام بخشا۔ غالباً اردو کی جاذبیت نے غالب کو بھی فارسی کے بجائے اردو میں اپنی تخلیقات پیش کرنے کی طرف مائل کیا ہوگا۔ اردو ایک رابطہ کی زبان کی حیثیت سے دن بدن بڑھتی گئی۔ سب نے خوشی خوشی اس کا خیر مقدم کیا۔ اردو کی جڑیں جس لسانی آفاقیت میں پیوست ہیں اس کی بنا پر امیر خسرو، میر، سودا جیسے شاعروں اور رتن ناتھ سرشار، نذیر احمد اور پریم چند جیسے نثر نگاروں کی تخلیقات کی بدولت اردو کی ادبی حیثیت بھی مسلم ہوئی۔ غالب اردو ادب کی جدید نظم و نثر کی تاریخ میں ایک گل سرسبد ہے۔

دھیرے دھیرے اردو درباری اور سرکاری زبان کی حیثیت اختیار کر لی گئی اور ہندی اور اردو کے ملاپ سے رابطہ کی زبان بن گئی جسے ہندوستانی بھی کہتے ہیں پھر آزادی کی جد و جہد جیوں جیوں بڑھی یہ ہندو مسلم اتحاد کو ختم کرنے والی تحریک کا شکار بنتی گئی کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش نے اسے اور نقصان پہنچایا۔ ہندی زیادہ ہندی ہوتی گئی اور اردو زیادہ اردو ہو گئی۔ حالانکہ اردو اور ہندی ایک ہی زبان کے دو رخ تھے اب یہ ایک ہی زبان کے دو منحرف رخ ہو گئے۔ اسی دور میں یہ نظریہ بھی وجود میں آیا کہ اردو ایک فرقہ کی زبان ہے اور یہ زبان صرف مسلمانوں کی ہے ان لوگوں کی نہیں ہے جو ایک علاقہ میں رہتے ہیں یہ نظریہ اب بھی ان لوگوں میں موجود ہے جنہیں اس کے بارے میں زیادہ صحیح طور پر جاننا چاہیے تھا حقیقت کو زیادہ دنوں تک چھپایا نہیں جا سکتا۔ مہاتما گاندھی کے زمانہ میں قومی یکجہتی اور سیاسی اتحاد کے لئے ایک قدم یہ اٹھایا گیا کہ اردو اور ہندی کے درمیان جو خلیج ہے اسے ہندوستانی کے ذریعہ ختم کر دیا جائے۔ تقسیم وطن نے اس خیال کو بروئے کار آنے نہیں دیا اور دستور ساز اسمبلی میں ہندی کو ہندوستانی پر ایک ووٹ سے ترجیح دی گئی۔ ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا گیا۔ آج ہم اردو اور ہندی کو دو الگ راہوں پر دیکھ رہے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ہندی فلمیں ہندوستانی زبان میں ہوتی ہیں۔

اب جب کہ غالب صدی کے اس سال میں ہم غالب کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں ہمیں یہ غور کرنا چاہیے کہ اپنے رسم خط اور الفاظ کی بدولت اردو مغربی ایشیا کے ممالک سے بھی رابطہ رکھتی ہے یہ ممالک ہمارے پڑوسی بھی ہیں اس کے علاوہ پاکستان بھی ہمارا پڑوسی ہے۔ جہاں کی سرکاری زبان اردو ہے اس لئے اردو کے ذریعہ ہم ان ممالک سے زیادہ بہتر مضبوط اور پائدار رشتہ قائم کر سکتے ہیں ہمارے لئے بہتر ہوگا کہ ہم اردو کو تقویت پہنچائیں بڑی بدنصیبی ہوگی اگر ہندوستان نے اردو کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا اور غالب صدی کے اس سال سے اردو کی ترقی کے لئے راہیں ہموار نہ کیں۔ آخر میں ہم پھر یہ کہیں گے کہ اسے ہم کیسے چھوڑ سکتے ہیں جو ہمارا ہے۔

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

اتر پردیش اسمبلی کے اردو دوست ممبروں کو اردو میں حلف اٹھانے کی سہولتیں فراہم کی جائیں

لکھنؤ۔ معلوم ہوا ہے کہ اتر پردیش اسمبلی کے ایک درجن سے زائد نو منتخب اردو دوست ممبران کی طرف سے اس بات کے لیے برابر جد وجہد ہو رہی ہے کہ انھیں اپنی مادری زبان اردو میں حلف برداری کی سہولتیں فراہم کی جائیں ہی نہیں بلکہ انھیں ایجنڈا وغیرہ بھی صرف اردو ہی میں بھیجا جائے اور ان کے ساتھ جو بھی سرکاری خط وکتابت ہو اس کی زبان بھی اردو ہی ہونی چاہیے۔ (سیاست)

ماسکو میں غالب صدی کی تقاریب

ماسکو۔ مشرق کے عظیم شاعر مرزا غالب کی صد سالہ برسی سوویت یونین میں وسیع پیمانے پر منائی گئی۔ اس بلند پایہ شاعر کا کلام سوویت یونین میں بہت مقبول ہے۔ بدیشی لائبریری میں شام غالب کا افتتاح سوویت یونین کے مشہور شاعر اور ادیب سوویت یونین کے ادیبوں کی یونین کے بورڈ کے سکریٹری اور سوویت امن کمیٹی کے صدر نکولائی تخونوف نے کیا۔ ادارہ ایشیائی اقوام کے شعبہ ادب کے صدر پروفیسر ایوگینی چیلیشیف نے غالب کی زندگی ان کی تخلیقات اور ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ افکار کے بارے میں ایک مقالہ پڑھا۔ ہندوستانی سفیر جناب ڈی پی دھر نے بھی تقریر کی۔ انھوں نے غالب کی زندگی ان کے کلام ان کے عہد اور ان کے افکار پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے غالب صدی کی تقاریب شاندار پیمانہ پر منانے پر سوویت عوام کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ سوویت عوام عالمی تہذیب سے اور ماضی کے بہترین ورثہ سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ آخر میں ہندوستانی سفیر نے غالب کی کئی غزلیں سنائیں۔ (الجمعیۃ)

حیدرآباد میں جشن غالب

حیدرآباد۔ غالب صدی کمیٹی کے زیر اہتمام یکم اور ۲ر مارچ کو ہندوستان میں اردو کے بڑے مرکز شہر حیدرآباد میں جو علمی ادبی اور تہذیبی تقاریب منعقد ہوئیں وہ برسوں تک یاد رہیں گی۔ تلگو والوں نے بھی ہندوستان کے اس عظیم شاعر کی سوویں برسی کے موقع پر ایک خصوصی اجلاس منعقد کیا اور تلگو ادیبوں شاعروں اور ریسرچ اسکالروں نے غالب کو بڑے خلوص سے خراج عقیدت پیش کیا۔ دو روزہ تقاریب کا آغاز نمائش غالبیات سے ہوا اور اس کی رسم افتتاح مرکزی نائب وزیر قانون و اوقاف جناب یونس سلیم نے انجام دی۔ اسٹیٹ لائبریری میں منعقدہ اس نمائش کے لیے غالب کے بعض نادر دواوین مخطوطات اور ان کی شبیہیں سالار جنگ میوزیم اسٹیٹ لائبریری ریاستی محکمہ آثار قدیمہ اور بعض احباب سے حاصل کی گئی تھیں۔ جناب یونس سلیم نے اس موقع پر یہ انکشاف کیا کہ غالب اور ان کے کلام پر ریسرچ کا آغاز حیدرآباد ہی سے ہوا۔ مرکزی وزیر نے یہ بھی کہا کہ جس طرح غالب کے انتقال کے ایک صدی بعد ہندوستان کے عوام نے ان کی عظمت و توقیر کا اندازہ کیا اس طرح وہ جلد یا بدیر غالب کی پسندیدہ زبان اردو کی اہمیت و افادیت کا بھی اندازہ کر لیں گے۔ جناب یونس سلیم نے حیدرآباد میں اردو کے فروغ و ارتقا کے کاموں پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست کو خراج تحسین پیش کیا۔ جن کی کاوشوں سے ادبی ٹرسٹ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ اسٹیٹ لائبریری کے لائبریرین جناب وینکٹ رمنیا نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ نمائش کے کنوینر ڈاکٹر حسینی شاہد پرنسپل اردو آرٹس ایوننگ کالج نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ سالار جنگ میوزیم سے دیوان غالب کا ایک ایسا نسخہ بھی دستیاب ہوا ہے جس کے

بعض صفحات پر ان کی رائے میں غالب کی لکھی ہوئی تحریریں موجود ہیں۔ اس بات کی توثیق اردو کے مشہور اسکالر جناب آغا حیدر حسن نے بھی کی۔ یکم مارچ کی شام رویندرا بھارتی تھیٹر میں پرنس معظم جاہ کی زیر صدارت ایک جلسہ عام منعقد ہوا۔ گورنر آندھرا پردیش جناب کھنڈو بھائی ڈیسائی نے اپنی افتتاحی تقریر میں غالب کو محبت اور انسانیت کا شاعر قرار دیا۔ اس جلسہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ چیف منسٹر برہمانند ریڈی نے جنھوں نے حال ہی میں تھوڑی بہت اردو سیکھی ہے غالب کے کئی اشعار سنائے اور اس "عندلیب گلشن ناآفریدہ" کو عظیم روایات شکن کا نام دیا۔ اور اپنی تقریر غالب کے اس شعر پر ختم کی ؎

نہ سنو گر برا کہے کوئی　　بخش دو گر خطا کرے کوئی

چیف منسٹر نے کہا کہ ہر آدمی کے لئے غالب کا یہ شعر ایک پیام ہے۔ ریاستی وزیر امور اصلاحات جناب جے وی نرسنگ راؤ نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ غالب اس تہذیب کے نمائندہ تھے جس کی بنیاد شمال میں اکبر نے اور جنوب میں محمد قلی نے رکھی تھی۔ صدر تقاریب کمیٹی جناب دلدار حسین صاحب نے رپورٹ پیش کی۔ اس موقع پر تقاریب کے سلسلہ میں جاری کردہ "ارمغان غالب" کی رسم اجرا بھی عمل میں آئی۔ جناب عابد علی خاں معتمد تقاریب کمیٹی نے یہ یادگار مجلہ مہمانوں کو پیش کیا۔ حیدرآباد کے ایک مشہور اسکالر جناب ضیاء الدین شکیب نے "غالب اور حیدرآباد" کے نام سے غالب صدی تقاریب کے موقع پر جو تحقیقی کتاب لکھی ہے اس کی رسم اجراء بھی اسی جلسہ میں عمل میں آئی۔ یہ کتاب ادبی ٹرسٹ کے زیر اہتمام شائع کی گئی ہے اس کی رسم اجراء گورنر آندھرا پردیش نے انجام دی۔ مشہور ڈرامہ نگار جناب منیر قمر کا غالب کی زندگی پر تحریر کردہ نیا ڈرامہ اور جناب عبداللطیف خاں کی کتاب "غالب" بھی اسی جلسہ میں منظر عام پر لائی گئی۔ جلسہ کو غالب کے ریسرچ اسکالر اور اکیڈیمیشن جناب مالک رام نے بھی مخاطب کیا جو غالب صدی کمیٹی کی دعوت پر تقاریب میں شرکت کے لئے حیدرآباد آئے تھے۔ جناب مالک رام نے کہا غالب اپنے دور میں ناقدری کا شکار نہیں ہوئے ان کی اس زمانہ میں بھی کافی قدر ہوئی اور ان کا دیوان پانچ مرتبہ شائع ہوا۔ گورنر آندھرا پردیش نے اس تقریب میں آئل رنگوں میں تیار کردہ غالب کی شبیہہ کا نیلام کیا جسے پرنس معظم جاہ نے ایک ہزار روپیہ میں خریدا۔ عارف رؤف اور ثریا جبر نے اس محفل میں غالب کی غزلیں ترنم سے پیش کیں۔ یکم مارچ کی رات میں ہندوستانی فلموں کے ممتاز میوزک ڈائرکٹر خیام اور ان کے طائفہ نے غالب کی غزلوں پر مشتمل کلچرل پروگرام پیش کیا۔ اس رنگا رنگ اور دلچسپ پروگرام میں ڈاکٹر سی۔ ڈی۔ دیش مکھ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی اور اپنی تقریر میں انھوں نے کہا کہ اگر غالب آج کے دور میں زندہ ہوتے تو گڑبڑ اور انتشار پسندی کے خلاف شعری جہاد شروع کر دیتے۔ عزیز احمد خاں وارثی نے غالب کی غزلوں کو قوالی کے ساتھ پیش کیں۔ ۲ مارچ کی صبح اردو ہال میں ایک خصوصی ادبی اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت پنڈت آنند نرائن ملا نے کی۔ اس جلسہ میں جناب مالک رام، جناب یونس سلیم، جناب آغا حیدر حسن، ڈاکٹر حفیظ قتیل اور محترمہ زینت ساجدہ نے غالب کی شاعری اور شخصیت پر دلچسپ مضامین سنائے اور پر مغز تقاریر کیں۔ اردو ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل نے اس امر کی وضاحت کی کہ غالب نے غزل کو ایک نیا مزاج دیا۔ پنڈت آنند نرائن ملا نے تالیوں کی گونج میں کہا کہ غالب نے آدم نو کا جو تصور پیش کیا ہے۔ وہی اس کو لازوال بنا دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک صدی بعد بھی ہمارے دور کا شاعر نظر آتا ہے۔ محترمہ زینت ساجدہ نے غالب کو ان کے خطوط کے آئینہ میں پیش کیا۔ آغا حیدر حسن نے دلی کی ستھری زبان میں غالب کی زندگی کے چند پہلو پیش کئے۔ جناب مالک رام صاحب نے غالب کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑے دلچسپ انداز میں دعویٰ کیا کہ ان کی موجودگی میں غالب کے وارث ہونے کا دعویٰ کون کر سکتا ہے۔ مرکزی نائب وزیر قانون و اوقاف جناب یونس سلیم نے بھی اس جلسہ کو مخاطب کیا۔ ۲ مارچ کی شب نمائش میدان کے تاریخی مشاعرے پر دو روزہ غالب صدی تقاریب اختتام کو پہنچی۔ میر مشاعرہ جناب آنند نرائن ملا نے اس موقع پر اپنی اثر انگیز تقریر کے دوران اردو کو "ایک تہذیب اور رواداری کے پیام" کا لقب دیا۔ ساڑھے تین گھنٹہ کی اس محفل شعر کے کنوینر جواں سال شاعر جناب شاذ تمکنت تھے۔ اس محفل شعر میں میزبان شعرا کے علاوہ مہمان شعرا جناب جاں نثار اختر، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر اور مظفر شاہجہاں پوری نے اپنا تازہ کلام پیش کر کے بے اندازہ داد حاصل کی۔ اس موقع پر زبیر رضوی نے "یہ ہے میرا ہندوستان" پیش کیا۔ مخدوم نے اپنی نئی نظم "غالب" سنائی۔ خورشید احمد جامی، اوج یعقوبی، جہاندار افسر، صلاح الدین نیر، فیض الحسن خیال، رئیس اختر، ابن احمد تاب، ناصر کرنولی، پرنس لطف علی خاں ثاقب، ثریا جبر، سعادت جہاں رضوی، وقار خلیل، پرنس سیادت علی خاں، خیرات ندیم، طالب رزاقی، منظور احمد، تاج قریشی، علامہ حیرت بدایونی اور سعید شہیدی نے بھی اپنی تازہ تخلیقات پیش کیں۔ سب سے پہلے کنوینر مشاعرہ شاذ تمکنت نے اپنا کلام پیش کیا۔ اور روایت کے مطابق صدر مشاعرہ کے کلام پر یہ یادگار محفل اختتام کو پہنچی۔

(کنوینر غالب کمیٹی)

اودے پور یونیورسٹی میں غالب صدی کی تقریبات

اسد اللہ غالب صدی جشن کے سلسلہ میں اودے پور یونیورسٹی میں ۱۹، ۲۰ اور ۲۱ر فروری ۱۹۶۹ء کو مہارانا بھوپال کالج میں سہ روزہ تقریبات کا اہتمام کیا گیا۔ ۱۹ر فروری کی شام کو ساز اور آواز کی ایک نشست بیڈمنٹن ہال میں منعقد ہوئی جس میں کالج کے ڈائرکٹر جناب نعیم حسین صاحب نے جشن غالب کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے تقریبات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مہمانوں کا استقبال کیا۔ موصوف کے بعد جناب نرنجن ناتھ آچاریہ اسپیکر راجستھان اسمبلی نے غالب کی ایک روغنی تصویر کی نقاب کشائی کی جسے کالج کے استاد جناب پرمانند چوٹیل صاحب نے بنایا تھا۔ اس تقریب کے بعد انھوں نے جشن غالب کا افتتاح کرتے ہوئے غالب کی شاعرانہ خوبیوں کو خراج عقیدت پیش کیا اور اعلان کیا کہ اپنی طرف سے وہ کالج کو غالب کی ایک قد آدم تصویر نذر کریں گے اس کے بعد پروفیسر ثاقب رضوی کا ترتیب دیا ہوا پروگرام شروع ہوا جس کا عنوان تھا غالب اپنے خطوط اور کلام کے آئینہ میں

۲۰ر فروری کو کالج کے سینر کومن روم میں غالب کی انفرادیت پر الہ آباد یونیورسٹی کے ڈاکٹر مسیح الزماں صاحب نے ایک توسیعی لکچر دیا جس کی صدارت جناب نرنجن ناتھ آچاریہ صاحب اسپیکر راجستھان اسمبلی نے فرمائی۔ ڈاکٹر مسیح الزماں صاحب نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے ان وجوہ پر روشنی ڈالی جن کی بنا پر غالب کا جشن صد سالہ ملک میں اور بیرون ملک میں منایا جا رہا ہے۔ ۲۰ر فروری کو ۹ بجے رات کو کھلے تھیٹر میں شامیانوں کے نیچے آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہوا جس میں چار ہزار نشستوں کا انتظام کیا گیا تھا لیکن وہ ناکافی ثابت ہوا اور فرش کا انتظام کرنا پڑا۔ سب سے پہلے مہارانا بھوپال کالج کی بزم ادب کے سکریٹری سید شرف الدین رضوی نے جشن غالب کے سلسلہ میں اراکین بزم کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور پھر صدر حاتم علی نے مہمانوں کا خیر مقدم کیا۔ بعد ازاں پروفیسر ثاقب رضوی نے جناب نعیم حسین صاحب سے مشاعرہ کی صدارت اور ڈاکٹر مسیح الزماں صاحب پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی سے افتتاح کرنے کی درخواست کی ڈاکٹر مسیح الزماں کی مختصر سی تقریر کے بعد مشاعرہ شروع ہوا۔ ۲۱ر فروری کو دن میں طیبیہ سکنڈری اسکول اور گورنمنٹ میراں گرلس کالج کی طالبات سے ڈاکٹر مسیح الزماں نے خطاب کیا۔ یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں موصوف نے اردو شاعری میں جدیدیت کے عنوان پر ایک تقریر کی غالب کی عظمت کو خراج عقیدت پیش کرنے اور اس کی اہمیت کو عام کرنے میں ان تقریبات نے شہر کی ادبی فضا پر بہت اچھا اثر ڈالا جسے اہل اودے پور بہت دنوں تک فراموش نہ کر سکیں گے۔ (شرف الدین رضوی سکریٹری بزم ادب)

کوروکشیتر یونیورسٹی میں جشن غالب

کوروکشیتر بزم ادب کوروکشیتر یونیورسٹی کی طرف سے کالج آف ایجوکیشن کے اسمبلی ہال میں جشن غالب کی تقریب منائی گئی یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ڈی سی ورمانے اس تقریب کا افتتاح فرمایا اور اس کے بعد بزم ادب کے صدر جناب گوربچن سنگھ نے غالب کی زندگی اور کلام پر ایک مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ دلی کے وائس چانسلر پروفیسر مجیب نے ایک نہایت جامع تقریر کی اور آخر میں دلی سے آئے ہوئے فن کاروں نے غالب کی چند منتخب اور نمائندہ غزلیں موسیقی کے ساتھ پیش کیں جنھیں سب نے بے حد پسند کیا۔ (مہندر پرتاپ چاند)

فارم ۱۷

دیکھو رول ۸

اخبار ہماری زبان

علی گڑھ

۱۔ مقام اشاعت	سلطان جہاں منزل علی گڑھ
۲۔ نوعیت اشاعت	ہفتہ وار
۳۔ نام پرنٹر	ہیش چند گپتا
قومیت	ہندوستانی
پتہ	لیتھو کلر پرنٹرس اچل تال علی گڑھ
۴۔ نام پبلشر	سید بنیاد علی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ
۵۔ نام ایڈیٹر	آل احمد سرور
قومیت	ہندوستانی
پتہ	شبلی روڈ علی گڑھ
۶۔ نام پتہ مالک اخبار	انجمن ترقی اردو ہند سلطان جہاں منزل

علی گڑھ میں سید بنیاد علی تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں

یکم مارچ سنہ ۱۹۶۹ء سید بنیاد علی

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ و پرنٹر و پبلشر سید بنیاد علی نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھپوا کر دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا